(۴۰)

کامیابی حاصل کرنے کیلئے ضروری ہے کہ انسان تذلّل اور انکسار اختیار کرے

(فرمودہ ۶ ؍نومبر ۱۹۳۶ء بمقام محمود آباد سندھ)

تشہّد ،تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد حضور نے قرآن کریم کی اس آیت کی تلاوت فرمائی قَدْاَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ ھُمْ فِیْ صَلَاتِھِمْ خَاشِعُوْنَ ؎۱ ۔اس کے بعد فرمایا:-

دنیا میں کئی لوگ شکوہ کیا کرتے ہیں کہ وہ اپنے مقاصد میں کامیاب نہیں ہوتے اور ان کی محنتیں ضائع چلی جاتی ہیں ایسے لوگ ہمیں دُنیوی کام کرنے والوں میں بھی دکھائی دیتے ہیں اور دینی کام کرنے والوں میں بھی دکھائی دیتے ہیں۔ دُنیوی زندگی کو مطمحِ نظر قرار دینے والوں سے بھی بعض شکوہ کیا کرتے ہیں کہ ان کے کاموں کا انفرادی یا قومی رنگ میں کوئی نتیجہ برآمد نہیں ہوتا اور دینی کام کرنے والوں میں سے بھی بعض لوگ شکوہ کیا کرتے ہیں کہ وہ نمازیں پڑھتے ہیں، روزے رکھتے ہیں، زکوٰۃ دیتے ہیں، استطاعت پر حج بھی کرتے ہیں، ذکر الٰہی بھی کرتے ہیں، سچائی اور دیانت سے بھی کام لیتے ہیں لیکن وہ ان کا کوئی غیر معمولی اثر اپنے اندر محسوس نہیں کرتے۔ اللہ تعالیٰ نے اِس آیت میں انہی ناکامیوں کے پیشِ نظر بعض گُر بیان فرمائے ہیں جن کو مدّنظر رکھنے سے انسان دینی و دنیاوی طور پر کامیاب یا بامراد ہو جاتا ہے اور اس کے کاموں کا صحیح نتیجہ برآمد ہونے لگتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے قَدْاَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ ھُمْ فِیْ صَلَاتِھِمْ

خَاشِعُوْنَ وہ مؤمن کامیاب ہوگئے جو اپنی نمازوں میں خشوع وخضوع سے کام لیتے ہیں۔
اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے خیالات کی تردید کی ہے جو کہتے ہیں کہ ہم کام تو کرتے ہیں مگر ہمیں ملتا کچھ نہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ ناممکن ہے کہ کوئی شخص خدا تعالیٰ کے قُرب کے حصول کیلئے صحیح رنگ میں جدوجہد کرے اور پھر اسے ناکامی حاصل ہو۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ایک مخلص اور مؤمن بندے کا ایمان تقاضا کرتا ہے کہ وہ خدا تعالیٰ کی عبادت کسی انعام کے لالچ میں نہ کرے بلکہ عبودیت کو اپنے فرائضِ منصبی میں شمار کرے مگر اس کے یہ معنی بھی نہیں کہ اللہ تعالیٰ سے کسی اچھے نتیجے کی امید نہ رکھی جائے۔ جس بات سے روکا جاتا ہے وہ یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کی عبادت ٹھیکہ کے طور پر نہ کی جائے کہ جتنا انعام ملے گا اتنی ہی ہم عبادت کریں گے۔ وہ عالم الغیب ہستی ہے انسان کو چاہئے کہ اپنا معاملہ اُس پر چھوڑ دے اور صدقِ دل سے اس کی عبادت کرتا چلا جائے پھر اللہ تعالیٰ جس رنگ میں چاہے گا اسے اپنے انعامات سے حصہ عطا فرما دے گا ورنہ اگر اللہ تعالیٰ سے کسی ثواب کی امید ہی نہ رکھی جائے تو دین ایک عبث اور رائیگاں چیز بن جاتی ہے۔ غرض خدا تعالیٰ نے اس آیت میں مؤمنوں کو امید دلائی ہے کہ انہیں اللہ تعالیٰ سے اچھے نتائج کی امید رکھنی چاہئے کیونکہ یہ ناممکن ہے کہ ایک شخص مؤمن ہو اور پھر کامیاب نہ ہو۔
قَدْاَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ کا لفظی ترجمہ یہ ہے کہ مؤمن کامیاب ہوگئے۔ اس رنگ میں الفاظ اُسی وقت استعمال کئے جاتے ہیں جب کوئی بات یقینی اور قطعی ہو جیسے اگر کوئی شخص سفر پر ہو اور گھبرا کر پوچھے کہ ابھی منزلِ مقصود کتنی دور ہے تو دوسرا کہتا ہے کہ بس ہم پہنچ ہی گئے ہیں گویا اب شبہ والی بات نہیں۔ اسی طرح جب کوئی یقین دلا دیتا ہے کہ وہ فلاں کام ضرور کر دے گا اور اس میں شبہ کی گنجائش نہیں تو وہ کہتا ہے کہ بس یہ کام ہؤا سمجھو۔ یہ محاورہ پنجابی میں بھی اسی طرح استعمال ہوتا ہے کہ اب گویا اسے حاصل شُدہ چیز ہی سمجھو۔ اسی طرف قَدْاَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ میں اشارہ ہے کہ تم مؤمنوں کو بس کامیاب ہؤا سمجھو اور یاد رکھو کہ اس میں کسی شک کی گنجائش نہیں کیونکہ مؤمن کا مستقبل ماضی کی مانند یقینی ہوتا ہے۔ پھر بتایا کہ ایسے مؤمنوں کی ایک علامت یہ ہے کہ وہ نمازوں میں خشوع وخضوع کرتے ہیں۔
خاشع کے معنے عام طور پر یہ کئے جاتے ہیں کہ جو نمازوں میں گریہ وزاری کرے۔ اس

میں کوئی شبہ نہیں کہ یہ معنے درست ہیں مگر خاشع کے صرف یہی معنے نہیں بلکہ اس کے علاوہ اور بھی کئی معنی ہیں، اسی طرح صلوٰۃ سے مراد خالی دعا نہیں کیونکہ وہ تو تکلیف کے وقت ہوتی ہے۔ یہاں خصوصیت سے نماز کا ذکر ہے کہ وہ نماز میں خشوع کرتے ہیں۔ درحقیقت عربوں میں صلوٰۃ کا لفظ عام ہے جو صرف عبادت کیلئے استعمال کیا جاتا ہے خواہ وہ اس شکل میں ہو جیسے مسلمانوں میں عبادت کا رواج ہے یا کسی اور شکل میں ہو جیسے عیسائیوں یا یہودیوں کی نماز ہے۔ قرآن کریم میں صلوٰۃ سے مراد بِالعموم عبادت ہی ہوتی ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے ایک دوسری جگہ فرمایا ہے کہ کفار کی صلوٰۃ صرف سیٹیاں بجانا اور تالیاں پیٹنا ہے۔ اب اس کا مطلب یہ نہیں کہ وہ نماز میں سجدہ کے وقت یا دوسرے موقع پر تالیاں پیٹتے تھے بلکہ مراد یہ ہے کہ ان کی عبادت اسی قسم کی ہے جس میں کوئی معقول بات نہیں جیسے ہندوؤں کی عبادت چھینے بجانے سے ہوتی ہے اسی طرح مکہ والے بھی کرتے تھے اور اسی کا نام عبادت رکھ لیتے تھے۔ گویا اس کے یہ معنے بھی ہیں کہ مسلمانوں کی نماز کے وقت بھی تالیاں بجاتے تھے اور سمجھتے تھے کہ وہ ایک نیک کام کر رہے ہیں لیکن اس میں کوئی شبہ نہیں کہ مشرکوں کی عبادت ایسی ہوتی ہے جیسے تالیاں بجانا۔ اسی طرح خشوع کسی چیز کے نیچے ہونے کو کہتے ہیں اِسی وجہ سے غضِ بصر کیلئے بھی اس لفظ کا استعمال کیا جاتا ہے۔ پس خشوع کے معنے ہوئے نیچے ہو جانا، تذلّل اختیار کرنا اور نفس کو مٹا دینا۔ **بَلْدَةٌ خَاشِعَةٌ** ایسے شہر کو کہتے ہیں جس کے سب مکانات گر گئے ہوں اور غبار سے اٹے ہوئے ہوں۔ پس نماز میں خشوع کے یہ معنے ہوئے کہ نماز پڑھنے والا اپنے آپ کو کلی طور پر مٹا دے اور انکسار اختیار کرے۔ اب ہمیں دیکھنا چاہئے کہ نماز میں انکسار سے کیا مراد ہے سو اگر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ خدا تعالیٰ نے نماز کے اندر ہی انکسار کا مفہوم رکھا ہؤا ہے۔ انسان تکبیر کے بعد کھڑا ہو جاتا ہے اور سینے پر ہاتھ باندھ لیتا ہے چونکہ انسان میں یہ ایک کمزوری پائی جاتی ہے کہ جب وہ کوئی اہم کام کرتا ہے تو اس کے نتیجہ میں یہ سمجھ بیٹھتا ہے کہ اب مَیں بہت بڑا ہو گیا ہوں جیسے آجکل کے علماء اور سجادہ نشین لوگوں کو اپنی عزت کرتے ہوئے دیکھ کر اپنے آپ کو بڑا سمجھنے لگ جاتے ہیں اسی لئے اللہ تعالیٰ نے قیام کے معاً بعد رکوع رکھ دیا اور حکم دیا کہ فروتنی اور انکسار کی وجہ سے نیچے جھک جاؤ اور ایسا رنگ دکھاؤ جیسے غلام اپنے آقا کیلئے دکھاتا ہے۔ پھر جب اسے خیال آنے لگتا ہے کہ اب میں نے بڑا کام کر لیا ہے تو خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ اب

اور جھک جاؤ چنانچہ وہ سجدے کا حکم دیتا ہے جو تذلّل کا انتہائی مقام ہے اور سجدہ دو دفعہ رکھا ہے جس کا مقصد یہ ہے کہ تواتر سے اِس پر عمل کیا جائے گویا جھکو اور جھکتے چلے جاؤ۔ پھر ہر رکعت میں اس کا تکرار انسان کو اس امر کی طرف بھی توجہ دلاتا ہے کہ اسے اپنے ہر کام کا اختتام سجدہ پر ہی کرنا چاہیئے کیونکہ بعض لوگ مختلف نیکیوں میں تو حصہ لیتے ہیں لیکن آخر تکبر میں مبتلاء ہو کر ہلاک ہو جاتے ہیں۔ دنیا میں بھی ہم دیکھتے ہیں کہ جس قوم نے کوئی بڑا کام کر کے تکبر کیا وہ گر گئی۔ مسلمانوں نے طب میں ترقی کی لیکن جب وہ ایسے مقام پر پہنچ گئی کہ کسی کے آگے جھکنے کو عار سمجھنے لگے تو ان کے ہاتھ سے طب نکل گئی اور یورپ میں چلی گئی۔ اب یورپ نے اِس میں اس حد تک ترقی کر لی ہے کہ پہلا سارا کام کھلونا سا معلوم ہوتا ہے۔ یورپ نے اپنے آپ کو اس وقت تک طالب علم سمجھا ہوا ہے لیکن جہاں اُس نے یہ خیال کیا کہ اب وہ استاد بن گیا ہے وہ گرنا شروع ہو جائے گا اور یہ کمال ان سے نکل کر کسی اور کے پاس چلا جائے گا۔ اسی طرح قدیم مصریوں نے انجینئرنگ میں ترقی کی لیکن جب انہوں نے تکبر کیا تو یہ فن ان کے ہاتھ سے نکل کر یونانیوں کے پاس چلا گیا۔ ان سے عربوں کے حصے میں آیا اور جب عربوں نے تکبر کیا تو یورپ میں چلا گیا جب وہ تکبر کریں گے تو ان سے بھی چھن جائے گا۔ پس قوم اسی وقت تک ترقی کرتی ہے جب تک وہ سمجھتی ہے کہ ابھی تک ہم نے اور سیکھنا ہے جب وہ یہ خیال کرنے لگتے ہیں کہ وہ استاد بن گئے ہیں تو ذلیل ہو جاتے ہیں۔

غرض مؤمن دین اور دنیا دونوں میں کامیاب ہوتے ہیں صرف شرط یہ ہے کہ وہ جتنی بھی ترقی کرے اتنا ہی یہ سمجھے کہ میں نے کچھ بھی خدمت نہیں کی۔ اگر یہ مادہ کسی میں پیدا ہو جائے تو وہ بڑھتا چلا جائے گا لیکن جب اُس نے یہ سمجھنا شروع کر دیا کہ اب میں نے کافی ترقی کر لی ہے تو وہ گر جائے گا اور اس کے اندر نفاق پیدا ہو جائے گا۔ غور کرو کہ کتنے معمولی سے جھٹکے سے ایک مؤمن منافق بن سکتا ہے پس کبھی تکبر کے قریب بھی نہ جاؤ عزت اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے خواہ اِس دنیا میں دے خواہ اگلے جہان میں۔ کسی کیلئے ایک قسم کی عزت اچھی ہوتی ہے اور کسی کیلئے دوسری قسم کی۔ ہم دیکھتے ہیں کہ والدین کو اپنے سب بچوں سے ہی پیار ہوتا ہے لیکن بعض چیزیں وہ اپنے کسی بچے کو دیتے ہیں اور کسی کو نہیں دیتے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ بھی خوب جانتا ہے کہ بندے کو کس رنگ میں انعام دیا جاوے۔ انسان کو تو اپنی عبادت کی قیمت بھی معلوم نہیں ہوتی پھر وہ اپنے لئے کوئی

انعام کیسے تجویز کرسکتا ہے جب وہ اپنے لئے خود کوئی انعام تجویز کرتا ہے تو وہی اُس کے تنزّل کا مقام ہوتا ہے۔ جیسے دنیا میں کوئی ماں باپ ایسے نہیں جن کو اپنے بچوں سے محبت نہ ہو لیکن وہ اس امر کو پسند نہیں کرتے کہ بچہ اُن پر حکومت کرے۔ جب ماں باپ بچے کی طرف سے اس سلوک کو برداشت نہیں کرسکتے تو کیا خدا تعالیٰ کی ذات کے متعلق یہ امید ہوسکتی ہے کہ خدا بندے کی حکومت تسلیم کرے اور بندے کو وہی دے جو بندہ خود اپنے لئے تجویز کرے۔ کئی لوگ حج کرتے ہیں تو حاجی کہلانے میں فخر محسوس کرتے ہیں حالانکہ وہ روزانہ دیکھتے ہیں کہ تمام مؤمن نمازیں پڑھتے اور روزے رکھتے ہیں لیکن کبھی انہوں نے خواہش نہیں کی کہ انہیں نمازی یا روزے دار کہا جائے۔ اِس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ حج کرلینے کے بعد وہ اپنے اندر ایک بڑائی محسوس کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ اب ان کا کوئی مقابلہ نہیں کرسکتا۔

مرزا غالب کے متعلق مشہور ہے کہ اس نے ایک دفعہ ایک خاص قسم کی ٹوپی پہنی جب لوگوں نے بھی ان کی نقل میں اسے پہننا شروع کیا تو انہوں نے اُسے اُتار دیا اور اپنی بڑائی میں دوسروں کی نقل کو بھی برداشت نہ کیا حالانکہ اُن کو خوش ہونا چاہیئے تھا کہ لوگوں نے اُن کی نقل کی ہے اس کے بِالمقابل اللہ تعالیٰ کے انبیاء ان اخلاق کو لے کر آتے ہیں کہ بجائے اِس کے وہ اپنی نقل کو ناپسند کریں ان کے دل میں خواہش ہوتی ہے کہ لوگ ان کی نقل کریں۔

غرض ایک سچے مؤمن میں تذلّل ہوتا ہے اور وہ جُوں جُوں عبادت کرتا ہے اس کا تذلّل ترقی کرتا چلا جاتا ہے۔ احادیث میں آتا ہے کہ رسول کریم ﷺ اِس قدر عبادت کرتے تھے کہ آپ کے پاؤں متورم ہوجاتے۔ حضرت عائشہؓ نے ایک دفعہ عرض کیا یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ ! اللہ تعالیٰ نے تو آپ کے اگلے پچھلے سب گناہ معاف کردیئے ہیں پھر آپ اتنی مشقّت کیوں کرتے ہیں؟ آپ نے فرمایا عائشہؓ کیا میں اللہ تعالیٰ کا شکرگزار بندہ نہ بنوں ۲؎۔

اسی طرح ایک دفعہ جب آپ سے کسی نے پوچھا کہ کیا آپ اپنے اعمال کے زور سے بہشت میں جائیں گے؟ تو آپ نے فرمایا نہیں میں بھی جنت میں خدا تعالیٰ کے فضل سے ہی جاؤں گا ۳؎۔ گویا آپ نے اپنے اعمال کی قیمت محض اللہ تعالیٰ کا فضل رکھی۔ غرض جس کو سچے کام کی توفیق مل جاتی ہے اس کے دل میں کبھی غرور پیدا نہیں ہوتا۔

حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل ایک بزرگ کا واقعہ سنایا کرتے تھے کہ انہوں نے کئی سال تک باقاعدہ مسجد میں نمازیں پڑھیں تا کہ لوگ ان کی تعریف کریں لیکن خدا تعالیٰ نے ان کی کسی گزشتہ نیکی کی وجہ سے لوگوں کے دلوں میں ان کے متعلق یہ بات ڈال دی کہ یہ سب لوگ انہیں منافق کہتے تھے۔ آخر ایک دن انہیں خیال آیا کہ اتنی عمر ضائع کی کسی نے بھی مجھ کو نیک نہیں کہا اگر خدا کیلئے عبادت کرتا تو خدا تعالیٰ تو راضی ہو جاتا۔ یہ خیال ان کے دل میں اتنے زور سے آیا کہ وہ اُسی وقت جنگل میں چلے گئے، روئے اور دعائیں کیں اور توبہ کی اور عہد کیا کہ خدایا! اب میں صرف تیری رضا کیلئے عبادت کیا کروں گا۔ جب واپس آئے تو اللہ تعالیٰ نے لوگوں کے دلوں میں یہ بات ڈال دی کہ یہ شخص ہے تو بہت ہی نیک مگر معلوم نہیں لوگوں نے اسے کیوں بدنام کر رکھا ہے اور بچے بوڑھے سب اس کی تعریف کرنے لگے۔ اس بزرگ نے خدا تعالیٰ کا شکر ادا کیا کہ خدایا! صرف ایک دن میں نے تیری رضا کی خاطر نماز پڑھی تھی جس کا نتیجہ یہ ہؤا کہ لوگوں نے میری تعریف کرنی شروع کر دی۔

پس ہر مؤمن کیلئے ضروری ہے کہ جب وہ نماز پڑھے تو اس کو شروع کرتے وقت اگر اس کے دل میں تکبر ہو تو ہو لیکن جب اسے ختم کرے تو اُس کا دل تکبر سے بالکل خالی ہو چکا ہو، اسی طرح جب وہ روزہ رکھے تو شروع میں اگر اُس کے اندر کبر کا کوئی شائبہ ہو تو ہو لیکن جب اسے ختم کرے تو وہ تکبر کو کُلّی طور پر چھوڑ چکا ہو۔

تاریخوں میں آتا ہے کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی وفات کا وقت قریب آیا تو ان کی زبان پر یہ فقرہ جاری تھا کہ رَبِّ لَا عَلَیَّ وَلَا لِیْ [۲] یعنی اے خدا! میں اپنے کاموں کا تجھ سے کوئی بدلہ نہیں مانگتا صرف یہی آرزو ہے کہ میرے اوپر کوئی الزام قائم نہ کیا جاوے۔ گویا ہزارہا کام کرنے کے باوجود وہ یہی سمجھتے تھے کہ اِس وقت تک میں نے کچھ بھی نہیں کیا۔ پس ترقی کیلئے ضروری ہے کہ جس قدر بھی عبادت کی جائے اُسی قدر آدمی اور زیادہ جھکتا چلا جائے حتّٰی کہ اُسے یہ احساس بھی نہ ہو کہ اس نے کچھ کیا ہے۔ جو لوگ دنیا میں یہ سمجھ لیتے ہیں کہ انہوں نے کچھ حاصل کر لیا ہے اُن کی مثال کنویں کے مینڈک کی سی ہوتی ہے جو سمندر کے مینڈک سے مِلا اور ایک چھلانگ لگا کر اُس سے کہا کہ کیا سمندر اتنا بڑا ہوتا ہے؟ اُس نے کہا نہیں۔ اُس نے دو چھلانگیں اور ماریں اور کہا کہ

کیا اتنا بڑا ہوتا ہے؟ اُس نے کہا نہیں اس سے بہت بڑا ہوتا ہے۔ آخر اس نے تین چھلانگیں ماریں اور کہا کیا اتنا بڑا ہوتا ہے سمندر کے مینڈک نے سر ہلا دیا جس پر کنویں کے مینڈک نے اس سے منہ پھیر لیا اور کہا میں ایسے جھوٹے سے بات نہیں کرتا۔ پس فِیۡ صَلَاتِهِمۡ خَاشِعُوۡنَ میں اللہ تعالیٰ نے یہ گُر بتایا ہے کہ اگر تم ترقی کرنا چاہتے ہو تو جتنا بھی تم کام کرو اتنی ہی تم پر اپنی کمزوری واضح ہوتی چلی جائے گی۔ اگر کسی کے دل میں یہ خیال آئے کہ اسے اس کے اعمال کے بدلہ میں کیا ملا ہے تو یہ اُس کا منافقت کی طرف پہلا قدم ہوگا اور اگر اس کے اندر یہ احساس ہو کہ اس نے کچھ بھی نہیں کیا تو خدا تعالیٰ قَدۡ اَفۡلَحَ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ کے وعدے کے مطابق اسے ضرور کامیاب کرے گا۔

ہماری جماعت میں بھی ٹھوکر کھانے والے ایسے ہی لوگ تھے جیسے ڈاکٹر عبدالحکیم کہ وہ چندے بھی دیتا تھا اور اُس نے کتابیں بھی لکھیں لیکن اس سے کم چندے دینے والے مرتے وقت تک ایمان پر قائم رہے اور خدا تعالیٰ نے اُن کو قبول کر لیا۔ پس جو احمدی یہ شکوہ کیا کرتے ہیں کہ انہوں نے چندے بھی دیئے لیکن اس کا ان کو کوئی اجر نہیں ملا ان کو چاہئے کہ وہ اپنے اندر سچا ایمان پیدا کریں اور اپنی کمزوریوں پر استغفار کریں جب ان کے دل سے یہ احساس جاتا رہے گا کہ انہوں نے کچھ کیا ہے تو اللہ تعالیٰ ان کو ایمان کے اعلیٰ ثمرات سے متمتع فرمائے گا اور انہیں دینی اور دُنیوی دونوں رنگ میں کامیابیاں عطا فرمائے گا۔

(الفضل ۲۷؍ستمبر ۱۹۶۱ء)

۱؎ المؤمنون: ۲،۳

۲؎ بخاری کتاب التفسیر ۔ تفسیر سورۃ الفتح باب قولہ اِنَّا فَتَحۡنَا لَکَ فَتۡحًا مُّبِیۡنًا

۳؎ بخاری کتاب التفسیر باب القصد والمداومۃ علی العمل

۴؎ بخاری کتاب الجنائز باب ماجاء فی قبر النبی ﷺ (الخ)